Date of Publication: 16-01-204

PRICE Rs. 2/-

POSTED ON 17-18 Jan. 2014
R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) -01/1195/2012-14
Licensed to Post Without Prepayment U (C)160/2012-14

HAMARI ZABAN (WEEKLY)

ہفت روزہ

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی

22-28 January 2014
Issue: 4, Vol: 73

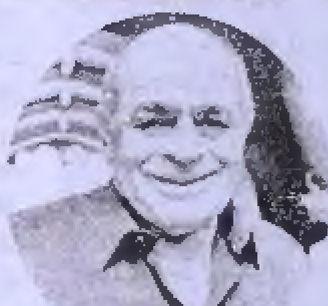
۲۲ تا ۲۸ جنوری ۲۰۱۴ء
شمارہ نمبر: ۴، جلد نمبر: ۷۳

مہمان اداریہ

شمیم حنفی

وارث علوی کی یاد میں

زندگی اور موت کا درمیانی فاصلہ اتنا مختصر بھی ہو سکتا ہے! وارث علوی سے ۹ دسمبر کی صبح کو فون پر باتیں ہوئی تھیں۔ بہ ظاہر وہ ٹھیک تھے۔ آواز میں کمزوری کا شائبہ تک نہ تھا۔ اس کے چار روز بعد ۱۳ دسمبر کو مجھے بمبئی کے لیے روانہ ہونا تھا، جہاں ریختہ فاؤنڈیشن اور ہندستانی پرچار سبھا کے تعاون سے اس شہر کے ادیبوں اور اردو دوستوں نے وارث کے سلسلے میں ایک دو روزہ سیمینار کا منصوبہ بنایا تھا۔ سیمینار میں شریک ہونے والوں کا ذوق و شوق دیکھنے کے لائق تھا۔ ہال میں چاروں طرف وارث کی تصویریں، پوسٹرز، ان کے مقولے اور مختلف کتابوں کے اقتباسات آویزاں تھے۔ کیا ہماری کم نصیب زبان کے پڑھنے والے اپنے ایک ادیب سے اتنی محبت بھی کر سکتے ہیں؟ حیرانی کی بات تھی، اس لیے بھی کہ وارث کی زندگی کے طور طریقے درویشانہ تھے۔ اپنے آپ سے یکسر بے نیاز اور اپنی کتابوں میں مگن۔ ایک ایسے دور میں جب کتاب بازار کا پروڈکٹ بن چکی ہو اور لکھنے والے چورن فروشوں کی طرح اشتہار بازی کے عمل میں کھوئے ہوئے ہوں، وارث نے بہت باوقار اور شریفانہ طور طریق کے ساتھ اپنے شب و روز بسر کیے۔ ادب کے مطالعے میں ایسا انہماک اور سرشاری کی کیفیت علمی اور تعلیمی اداروں میں بھی عموماً نظر نہیں آتی۔ ایسا نہیں کہ وارث کو اپنے زمانے کے مزاج پر برہمی اور اس کی طرف سے بے تشنگی کا احساس نہ رہا ہو، مگر انھوں نے خود کو زمانہ ساز اور دنیا طلبی کے کاروبار میں ہمہ وقت مصروف رہنے والوں سے الگ کر لیا تھا۔ احمد آباد کی ایک پرانی بستی میں، جہاں ان کے گھر سے ملے ہوئے قبرستان میں نظیری نیشاپوری بھی محو خواب ہیں اور قریب ہی سنگ لرزاں کی مسجد کے مینار، دعا کے لیے اٹھے ہوئے ہاتھوں کی مثال، کپکپاتے محسوس ہوتے ہیں، وارث اپنے مختصر کنبے کے ساتھ ایک پر سکون اور عافیت کوش زندگی گزارنے کے عادی ہو چلے



تھے۔ سرور صاحب نے انھیں تقابلی ادب کی ریڈر شپ کے منصب پر علی گڑھ بلانا چاہا تو وارث نے معذرت کر لی۔ وہ اپنے تکیے میں خوش تھے۔ مجھے ان کے گھر پر کئی بار ٹھہرنے کا اتفاق ہوا۔ دو تین مرتبہ وہ دلّی میں ہمارے مہمان بھی ہوئے۔ کیسی بے لوث، رنگا رنگ اور معاصر کی دنیا سے گہرے لگاؤ والی زندہ و تابندہ شخصیت تھی۔ وارث جہاں بھی ہوتے ان کے گرد روشنی سی پھیل جاتی تھی۔

تنقید کا پیشہ یا شغل اپنانے والوں میں اکثریت ایسوں کی ہے جو ہم چنیں دیگرے نیست کی بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں۔ وارث کو ہر دم آپ اپنا ڈھنڈورا پیٹنے والوں، تعلقات عامہ کا افضل رویہ اختیار کرنے والوں اور ہز ماسٹرز وائس کے سحر میں کھوئی ہوئی مخلوق کا حلقہ بنانے والوں سے ہمیشہ چڑھ سی ہوتی تھی۔ کسی بھی شریف اور منصب آگاہ لکھنے والے کی طرح، وارث کی فضا میں بھی کائنات کی ترتیب عام وضع سے ایک دم الگ تھی۔ بہ قول ظفر اقبال:

مری فضا میں ہے ترتیب کائنات ہی اور
عجب نہیں کہ ذرا چاند ہو ستارہ مجھے

اعتراف کمال اور اعزاز و اکرام کا سلسلہ اس عہد میں، خصوصاً اردو معاشرے میں جس رکیک اور ابتذال آمیز سطح تک جا پہنچا ہے، اس نے وارث کو اس پورے قصے ہی سے بیزار کر دیا تھا۔ لیکن ان کی طبیعت میں کسی طرح کی کڑواہٹ کا گزر نہیں تھا۔ وہ حتی الامکان اپنے آپ کو بشاش اور بے پروا رکھتے تھے۔ سرکاری اداروں سے لے کر تعلیمی اداروں تک، اس سلسلے نے اپنے بازو پھیلا رکھے ہیں اور بدمذاقی کے اس ماحول سے، ظاہر ہے کہ وارث بھی بہت برگشتہ تھے۔ لیکن اپنے آخری سانس تک، انھوں نے، بہ ہر حال، ایک پُر طمانیت زندگی، اور اپنی رکھ رکھاؤ والی وضع بنائے رکھی۔ وارث نے زندگی کا قرض جس طرح ادا کیا وہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔

وارث گجراتی میں ڈرامے بھی لکھتے تھے۔ لیکن ان کی پہچان بنیادی طور پر ایک نقاد کی ہے۔ اردو کی جدید تنقید، اپنے سفر میں کیسے کیسے تماشوں سے گزری ہے۔ ''مابعد جدید دور'' نے اپنے بعض مویدین کو جس حال تک پہنچا دیا، سب کے سامنے ہے۔ لیکن اسی رنگا رنگ سفر میں گنتی کے جو برگزیدہ اصحاب شامل ہوئے ہیں، ان میں وارث علوی کی ایک سب سے مختلف اور مخصوص حیثیت ہے۔ ساحر کے لفظوں میں:

اور آئیں گے ان نغموں کی کھلتی کلیاں چننے والے
مجھ سے بہتر کہنے والے، تم سے بہتر سننے والے

مگر ان میں کوئی بھی وارث علوی جیسا نہ ہوگا۔ خدا حافظ وارث! میرے دوست! تمھارے چلے جانے سے میرے اپنے وجود اور زمین و زماں کا ایک حصہ بھی گم ہو گیا ہے۔

●◆●

B-144، ذاکر باغ، اوکھلا روڈ
نئی دہلی 110025

گاہے گاہے باز خواں

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاسِ اوّل

منعقدہ علی گڑھ ۱۸۸۶ء

صدر مولوی حاجی محمد سمیع اللہ خاں صاحب مرحوم سی ایم جی رئیس دہلی

دوسری اور آخری قسط

مولوی انوار احمد زبیری مارہروی

جب انگریز مسلمانوں سے حکومت لے کر خود حکمراں بنے تو انھوں نے کامل تسلط و اقتدار کے بعد ملکی انتظام اور صیغہ جات پر توجہ کی۔ اسی سلسلے میں نظام تعلیم کو استوار اور مستحکم بنانے کے لیے مدرسے اور یونیورسٹیاں قائم کیں چوں کہ مسلمانوں کے ہاتھ سے حکومت انگریزوں نے لی تھی وہ طبعاً ان سے نفرت رکھتے تھے۔ یہی نفرت اب علوم جدیدہ کے حاصل کرنے میں مانع آئی۔ مذہبی حیثیت سے آج کل کے مقابلے میں اُس وقت علما کا بھی قوم میں خاصا اثر تھا۔ علوم جدیدہ سے ان کی مخالفت اور انگریزوں کی نسبت سے ہر چیز کے ساتھ نفرت بالخصوص حصول تعلیم کی کوشش میں بہت کچھ حرام تھی اور سرسید کو خدا نے ایسا دردمند دل اور چشم بصیرت عطا کی تھی کہ ایک طرف تو وہ زوال حکومت کے سبب سے جن مختلف قسم کے مصائب اور آلام میں قوم کو مبتلا دیکھ رہے تھے، دوسری طرف عدم تعلیم و تربیت کی وجہ سے زمانہ آئندہ میں جو اور بڑی گت بننے والی تھی وہ اس سے بے خبر نہ تھے۔ اس مرض کا علاج ان کے خیال میں علوم جدیدہ کی تحصیل مدرسۃ العلوم کے قیام کے ذریعے سے ہو سکتی تھی۔ چوں کہ مولوی سمیع اللہ خاں ان حقائق کے اندازہ داں تھے انھوں نے قومصیبت اور پستی کی گھٹاؤں کو اپنے اوپر اور قوم پر گرجتے ہوئے سنا تھا اور برستے ہوئے دیکھا تھا۔ غدر کی آفت ان کے سامنے تھی۔ پشتینی امیروں اور شرفا کے خاندان ان کے سامنے ملیا میٹ ہوئے تھے۔ عام طور پر افلاس، نکبت، بد اخلاقی اور جہالت کا زور تھا۔ خود مولوی تھے، مشائخ اور صوفیہ کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان حالات نے ان کو پرانے تجربے سے نکالا اور وہ خواب سرسید کی تعبیر بن کر ترجمان عمل کی شکل میں قوم کے سامنے آئے۔

اس مقصد کے لیے سرسید نے ایک کمیٹی بنارس میں قائم کی جس کے سکریٹری مولوی صاحب قرار پائے۔ اب وہ علی گڑھ میں صدر الصدور ہیں۔ جدید حکومت کی کرسی نے اقبال مندی اور اثر میں نئی قوت پیدا کر دی ہے۔ عمر و عمل پشتینی اعزاز وجاہت رفیق کار ہیں۔ علی گڑھ کے گرد و نواح میں مسلمان زمینداروں اور کھاتے پیتے لوگوں کا جھنڈ ہے۔ جس وقت انھوں نے علی گڑھ میں دار العلوم کی بنا کی آواز بلند کی، جلسے کر کے ماضی و حال کو سامنے رکھا۔ استقبال کے نتائج بد سے خبردار کیا۔ تعصبات اور جہل کی غفلتوں پر ٹہوکے دے کر دکھتی ہوئی رگوں میں سے نشتر دے کر فاسد مادے کو نکالا۔ تاثیر نے پیش قدمی کی۔ اعوان و انصار جھنڈے کے پیچھے آنا شروع ہوئے۔ قدمے، درمے، سخنے تائید کے لیے نہ صرف آوازیں بلند ہوئیں بلکہ ہاتھ بھی بڑھے۔ سرسید اپنے یاروں سے کہتے تھے کہ جب تک پندرہ لاکھ روپیہ اکٹھا نہ ہو جائے مدرسہ کھولنے کا نام نہ لو۔ اس رائے سے اگر کسی کو اختلاف تھا تو وہ مولوی سمیع اللہ خاں تھے جن کی دور رس نگاہ ہمیشہ نتائج صحیحہ پر پہنچ کر رکتی تھی۔ انھوں نے چندے کی فہرست کھولی اور جو پہلے دے چکے تھے اس کے علاوہ سب سے پہلے اپنے نام سے ایک ہزار روپیہ دیا اور دوسروں سے لینے کی کوشش کی۔ اس طریقے سے جب کافی رقم فراہم ہو گئی تو 24 مئی 1875 کو مدرسے کی افتتاحی رسم ادا کر کے اس دار العلوم کی بنیاد ڈال دی۔ جو آج 'مسلم یونیورسٹی' کے نام سے اقصائے عالم میں ایسی واحد اسلامی درس گاہ ہے جس کا نمونہ آج نہ قسطنطنیہ میں ہے نہ ایران میں اور نہ مصر میں۔ اس مکتب یا مدرسے کے رجسٹر میں سب سے پہلے اپنے بیٹے کا نام لکھوایا اور داخل کیا جن کا پورا نام افضل العلما نواب سربلند جنگ مولوی حمید اللہ خاں بیرسٹرایٹ لا ریٹائرڈ چیف جسٹس حیدرآباد ہے۔ خود سرسید احمد خاں رسم افتتاح مدرسہ کی شرکت کی غرض سے بنارس سے علی گڑھ آئے۔

1874 میں جس وقت سرسید نے مدرسۃ العلوم کی امداد کے لیے سب سے پہلا سفر پنجاب کا کیا اس وقت بھی ان کے رفیقوں میں مولوی سمیع اللہ خاں کی شخصیت سب سے بلند و بالا نظر آتی تھی۔

1877 میں مدرسۃ العلوم کی سالانہ رپورٹ پڑھنے کی غرض سے جب سرسید کھڑے ہوئے تو اُس وقت اپنے رفیق منزل کا ذکر حسب ذیل الفاظ میں کرتے ہیں:

''جس کالج کی رپورٹ آپ حضرات کو پڑھ کر سنائی گئی ہے، یہ مولوی سمیع اللہ خاں صاحب کے مستقل ارادے اور صحیح رائے کی بدولت قائم ہوا ہے۔ کالج فنڈ کمیٹی جس کے ممبر مولوی سمیع اللہ خاں بھی تھے اور جس نے مدرسۃ العلوم قائم کرنے کا منصوبہ باندھا تھا، اس کی رائے تھی کہ جب تک پندرہ لاکھ روپیہ جمع نہ ہو جائے تو اس وقت تک مدرسہ یا کالج نہیں جاری ہو سکتا۔ اس رائے سے مولوی صاحب نے اختلاف کیا اور جب کسی نے اس اختلاف کی پروا نہ کی تو انھوں نے مخصوص فیاضی سے کام لے کر ایک فہرست چندہ کھولی اور اپنے پہلے چندے کے علاوہ اس میں بھی ایک ہزار روپیہ سے چندہ میں شرکت کی اور اس طرح پر جب روپیہ جمع ہو گیا تو انھوں نے مدرسۃ العلوم قائم کر دیا''۔

ان کی اس جلیل القدر خدمت قومی کا اعتراف نہ صرف سرسید نے بلکہ لارڈ رپن وائسرائے اور سر آکلنڈ کالون لفٹنٹ گورنر ممالک متحدہ آگرہ و اودھ نے بھی اپنی ان تقریروں میں کیا ہے جو انھوں نے کالج وزٹ کے موقعوں پر کی تھیں۔

اس احسان قومی کے اعتراف اور شکریہ میں سرسید کورٹ میں کھڑے ہو تو شمال کی طرف 'وکٹوریہ گیٹ' کے اوپر ایک لمبی سفید سل میں بہ خط عربی جلی حروف میں حسب ذیل کتبہ فارسی زبان میں کندہ نظر آتا ہے:

''ترقی خواہان قوم اگرچہ از چند سال در پے قیام این مدرسہ کہ ذریعہ سود و بہبود قومیت و بہ جہت تعلیم و تربیت اطفال نعمت غیر مترقبہ صرف ہمت می کردند مگر اجرا آں بہ خیر تا خیر می افتاد جناب مولوی محمد سمیع اللہ خاں صاحب بہادر رئیس دہلی جرأت و ہمت را بکار برد و بہ تاریخ بست و چہارم مئی 1875 کہ روز سعید سال گرہ ملکہ معظمہ وکٹوریہ قیصر ہند بود این مدرسہ را اجرا فرمودند تمامی ممبران کمیٹی مدرسۃ العلوم مشکور و ممنون شان بودہ اند و باظہار شکر گزاری این لوح را نصب می نمایند و این منزل را بنام نامی جناب ممدوح موسوم می سازند''۔

اب یہ منزل عالی جس کا نام 'سمیع اللہ خاں منزل' ہے، بہ ہمہ جہت مکمل ہو کر تعمیر ہو چکی ہے اور اس کے کلاک ٹاور کا منارہ گم گشتہ راہوں اور اوقات عمل کا رہنما ہے۔

1872 سے لے کر 1888 تک مولوی سمیع اللہ خاں سرسید کے دست و بازو بن کر مدرسۃ العلوم کو ہر ممکن ترقی دینے میں مصروف عمل رہے اور جو پودا انھوں نے اپنے ہاتھ سے لگایا تھا اور جس محنت کے ساتھ اس کو سینچا تھا وہ ان کی زندگی میں پروان چڑھا اور برگ و بار لایا۔ اب سرسید کی زندگی عمر کی آخر منزلیں جلد جلد طے کر رہی ہے۔ مدرسۃ العلوم اور اس کے بورڈنگ کی ہمہ گیری اور وسعت ترقی کرتی جاتی ہے۔ اندرونی معاملات اور انتظامات میں مولوی صاحب کا اقتدار اور ان کی پوزیشن واضح ہے۔ انگلش اسٹاف کو ان کی مداخلت اس پیمانے پر منظور نہ تھی جس کا ان کو حق تھا۔ رفتہ رفتہ شکایتیں پیدا ہوئیں۔ سرسید نے اسٹاف کی حمایت کی۔ یہ بات بھی الم نشرح تھی کہ سرسید چراغ سحری ہیں، ان کے جانشین ہوں گے تو سمیع اللہ خاں ہوں گے۔ اسٹاف کے لیے یہ خلش بھی کچھ کم نہ تھی۔ الغرض گفتہ اور ناگفتہ واقعات چند در چند نے وہ وقت سامنے لاکر موجود کر دیا کہ جس نے ان کی اور سرسید کی قرابت اور رفاقت رقابت اور عداوت سے بدل دی۔ 1889 میں سرسید نے ٹرسٹیز بل کا مشہور مسودہ جس میں سید محمود مرحوم کو اپنے بعد اپنا جانشین تجویز کیا تھا ٹرسٹیوں کے سامنے پیش کیا۔ اس بل نے ہولناک مخالفت پیدا کر دی۔ علی گڑھ، بلند شہر کے بڑے بڑے تعلق دار رؤسا اس مخالفت میں مولوی سمیع اللہ خاں کے ساتھ ہو گئے۔ نواب وقار الملک مولوی مشتاق حسین نے بھی سرسید کی رائے سے زبردست اختلاف کر کے ایک زبردست تحریر لکھی جس نے اس آگ پر اور تیل چھڑکا۔ انجام کار جیت سرسید کی ہوئی اور بل کثرت رائے سے پاس ہو گیا۔ مولوی سمیع اللہ خاں کو شکست ہوئی اور ان کے ساتھ مدرسۃ العلوم اپنے بہت سے قدیم یاروں اور مددگاروں سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو گیا اور کالج کی ترقی عرصہ دراز کے لیے رک گئی۔

یہ تو جو کچھ ہونا تھا سو ہو گیا۔ 1889 میں وہ مدرسۃ العلوم سے کلیۃً دست بردار ہو گئے لیکن جب تک زندہ رہے اور عرصے تک زندہ رہے، علی گڑھ میں مستقل طور سے سکونت رہی۔ جہاں

(بقیہ صفحہ ۶ پر)

مصحفی

امروہہ، آنولہ، دلّی اور لکھنؤ میں

ڈاکٹر الف ناظم (امن گیٹ، ابوبکر نگر، دیوریا 274001، یوپی)

تیسری قسط

مصحفی کے آنولہ اور ٹانڈے کے مختصر قیام کے سلسلے میں مصحفی کا تذکرۂ ہندی بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے جس کے مطابق مصحفی امروہہ سے پہلے آنولہ و ٹانڈہ آئے۔ اس کے باوجود محققین نے اپنی اپنی فہم کے مطابق الگ الگ آرا کا اظہار کیا ہے۔ مصحفی کے اس مختصر قیام کے سلسلے میں کہیں 'کٹھیر'، کہیں 'آنولہ' اور کہیں 'ٹانڈہ' کا ذکر ملتا ہے۔ 'کٹھیر' ٹانڈہ اور آنولہ کے مقام کے تعین میں مزید الجھاؤ پیدا کر دیا گیا ہے، مثلاً مجنوں گورکھپوری نے ٹانڈے کو ضلع فیض آباد میں قرار دیا ہے۔ حنیف نقوی نے اسے ضلع رام پور میں لکھا ہے۔ اگرچہ فیض آباد اور رام پور میں بھی ٹانڈہ نام کی بستیاں آباد ہیں لیکن ان سے مصحفی کا کوئی تعلق نہ تھا۔

آنولہ جیسا کہ عرض کیا گیا کہ روہیل کھنڈ میں واقع ہے اور روہیل کھنڈ میں اس زمانے میں آزاد حکومت قائم ہو چکی تھی۔ مسلمانوں کی آمد سے قبل یہاں کٹھیریا راجپوتوں کا دور تھا۔[۲۸] اسی مناسبت سے یہ کٹھیر کہلاتا تھا۔ آنولہ کو اس وقت پرگنے کی حیثیت حاصل تھی۔ کٹھیر کی حدود موجودہ روہیل کھنڈ کی حدود کو شامل تھیں۔ بقول محمد اسحٰق خاں:

''کٹھیر کی حدود روہیل کھنڈ کی حدود موجودہ حال کو شامل تھیں۔ بریلی، مرادآباد، سنبھل، بدایوں کے اضلاع کو کٹھیر کہتے ہیں۔ جب سے کٹھیریا نامی ایک قوم سورج بنسیوں میں سے جو قنوج سے نکالی گئی تھی ممالک متحدہ میں آکر آباد ہوئی۔ یہ ملک کہلاتا تھا''۔[۲۹]

شمس بدایونی نے ٹانڈہ (جہاں مصحفی نے قیام کیا) کی دریافت آنولہ کے گرد و نواح میں کی ہے اور یہی صحیح ہے۔ انھوں نے اس کا ثبوت تاریخ روہیل کھنڈ سے فراہم کیا ہے جو مصحفی کے بیان کردہ ٹانڈہ سے مماثلت رکھتا ہے۔ ٹانڈہ نام کی کئی بستیاں روہیل کھنڈ کے کئی اضلاع میں پائی جاتی ہیں۔ بعض اوقات ایک ہی ضلع میں ٹانڈہ نام کی کئی بستیاں آج بھی موجود ہیں۔ ٹانڈہ ہندی زبان کا لفظ ہے اس کے معنی تاجروں کے قافلے کے ہیں۔[۳۰] جس ٹانڈے میں مصحفی کا قیام رہا اس کا پورا نام محمد نگر ٹانڈہ ہے اور جو رام پور یا فیض آباد نہیں بلکہ آنولہ کے اطراف میں واقع ہے۔ بقول شمس بدایونی:

''جب آنولہ دارالحکومت بنا، اس وقت اس کے ارد گرد ۳ تا ۲۱ کلومیٹر کے فاصلے پر اترچھیڑی، منونہ، محمد نگر ٹانڈہ، رام نگر چھوٹی چھوٹی بستیاں تھیں۔ جہاں روہیلہ امراء سرداروں نے اپنی اپنی گڑھی، حویلیاں، عمارت بنا کر قیام کیا۔ لیکن ۱۷۷۴ء میں شجاع الدولہ نے جب آنولہ کو غارت کیا تو یہ بستیاں بھی نیست و نابود کر دی گئیں۔ انھیں بستیوں میں ایک بستی محمد نگر ٹانڈہ بھی تھی''۔[۳۱]

یہ بستی (محمد نگر ٹانڈہ) آنولہ سے چھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ محمد یار خاں امیر کا تعلق بھی اسی بستی سے تھا۔ مصحفی پہلے پہل آنولہ میں وارد ہوئے، بعد میں ٹانڈہ پہنچے جہاں محمد یار خاں امیر اپنی محفل سجائے ہوئے تھے۔ یہ امیر روہیلہ حکومت کے بانی نواب علی محمد خاں کے بیٹے تھے۔ جنھیں ان کے بھائی نواب سعد اللہ خاں کے ساتھ پنشن میں شامل کر دیا گیا تھا۔ ان کو علاحدہ سے کوئی جاگیر نہیں دی گئی تھی۔[۳۲] لیکن ان کی حیثیت ایک رئیس کی تھی۔ امیر کو موسیقی، مصوری اور شاعری سے گہری دلچسپی تھی۔ حکیم کبیر سنبھلی کی ترغیب سے وہ خود بھی شعر کہنے لگے تھے۔ اس کا ذکر مصحفی نے بھی اپنے تذکرۂ ہندی میں کیا ہے۔ مصحفی نے یہ بھی لکھا ہے کہ انھوں نے مرزا سودا اور میر سوز کو فرخ آباد سے آنولہ آنے کی دعوت دی۔ اس وقت یہ دونوں شعرا فرخ آباد میں مہربان خاں رند کے دربار سے منسلک تھے، اس لیے آنولہ نہ آسکے۔ قائم چاند پوری بسولی (ضلع بدایوں) میں تھے۔ امیر نے قائم کو بھی دعوت دی۔ قائم نے نواب کی دعوت قبول کی اور سو روپے مشاہرے پر ملازمت قبول کی۔ نواب نے انھیں اپنا استاد بھی مقرر کیا۔

مصحفی ترک وطن کر کے آنولہ کیوں پہنچے؟ اس سلسلے میں انھوں نے اپنے تذکروں میں بھی کوئی تفصیل پیش نہیں کی۔ آنولہ کے ایک شاعر علی بخش بیمار جو مصحفی کے شاگرد تھے، کے ایک شاگرد منشی انوار حسین تسلیم سہسوانی نے اپنے فارسی دیوان کے دیباچے میں بیمار کو ہمشیرزادہ مصحفی لکھا ہے۔ اسی بنیاد پر افسر صدیقی نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ مصحفی کی آنولہ آمد کا سبب رشتہ داری تھا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''مصحفی نے دہلی کی طرف رخ کرنے کے بدلے اپنے قریب کی ریاست روہیل کھنڈ کی طرف توجہ کی اور امروہہ سے نکل کر آنولہ قیام کیا۔ ممکن ہے کہ آنولہ سے مصحفی کو کوئی اور نسبت بھی ہو لیکن ابھی تک اس سلسلے میں کوئی بات ظاہر نہ ہو سکی۔ البتہ ایک روایت یہ ہے کہ ان کے ایک بھانجے شیخ علی بخش بیمار آنولہ میں تھے اور وہیں سے وہ حکیم سعادت علی خاں افسر الافواج ریاست رام پور کی معیت رام پور آکر احمد خاں غفلت کے شاگرد ہوئے تھے۔ منشی انوار حسین تسلیم سہسوانی شاگرد علی بخش بیمار نے اپنے دیوان کے مقدمے میں بیمار کو ہمشیر زادہ مصحفی لکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کی معلومات کا ماخذ خود ان کے استاد ہوں گے، لیکن مصحفی نے جہاں اپنے بھائیوں کی تفصیل 'مجمع الفوائد' میں درج کی ہے جسے ہم اس سے قبل نقل کر چکے ہیں، اپنی کسی بہن کا ذکر نہیں کیا۔ اب یا تو انھوں نے بہنوں کے ذکر کو قصداً نظرانداز کر دیا ہو یا شیخ علی بخش بیمار کی والدہ کسی رشتے سے مصحفی کی بہن ہوتی ہوں۔ علی بخش بیمار ضلع بریلی موضع منوی کے رہنے والے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ اس تعلق نے مصحفی کو امروہہ چھوڑ کر بریلی کی طرف جانے پر آمادہ کیا ہو''۔[۳۳]

مصحفی محمد یار خاں امیر کے دربار سے کس طرح وابستہ ہوئے، اس سلسلے میں خود مصحفی ہی کے بیانات بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مصحفی ۱۷۷۰ء کے آس پاس آنولہ میں وارد ہوئے۔ بقول امتیاز علی عرشی ٹانڈے کی بزم سخن ۱۱۶۹ھ/ ۱۷۶۲ء کے بعد اور ۱۱۸۳ھ/ ۱۷۷۰ء سے قبل آراستہ کی گئی اور سودا کو بھی انھی دنوں امیر نے مدعو کیا تھا۔ امیر شعرا کی قدردانی میں بے حد دلچسپی لینے لگے تو ٹانڈے میں شعرا جمع ہونے لگے۔ میاں عشرت، پروانہ علی شاہ مرادآبادی (شاگرد قائم)، میر نعیم اور قدوی لاہوری وغیرہ وہاں پہنچے۔ مصحفی کے بیان کے مطابق وہ اس وقت آنولہ ہی میں موجود تھے اور قدوی کی ملازمت کے دو تین ماہ بعد نواب محمد یار خاں امیر کے دربار میں ان کی حاضری ہوئی۔ تقریباً یہی مدت آنولہ میں ان کے قیام کی رہی ہوگی۔ یہ محض قیاس ہے ورنہ آنولہ و ٹانڈہ میں مصحفی کے مختصر قیام کی صحیح مدت کا تعین بے حد دشوار معلوم ہوتا ہے۔ مصحفی نے لکھا ہے کہ انھوں نے قائم کے ساتھ تین ماہ ایک ساتھ اٹھتے بیٹھتے کھاتے پیتے گزارے مگر یہ ظاہر نہیں کیا کہ یہ مدت امیر کے دربار کی وابستگی سے قبل کی ہے یا بعد کی۔ مصحفی، قائم کے ذریعے امیر کی مجلس میں حاضر ہوئے، اس سلسلے میں ابواللیث صدیقی لکھتے ہیں:

''مصحفی قائم کے ذریعے یہاں ملازم ہوئے تھے اور قصیدہ پیش کیا تھا''۔[۳۴]

بقول نورالحسن نقوی:

''انھوں (مصحفی) نے نواب کی شان میں ایک قصیدہ کہا اور ٹانڈے چلے آئے۔ قائم چاند پوری ان سے بہت متاثر ہوئے۔ انھوں نے مصحفی کو نواب کے دربار میں ملازم کرا دیا''۔[۳۵]

امیر احمد علوی نے لکھا ہے:

''مصحفی بھی امیر کی جود و سخا کا شہرہ سن کر وہاں پہنچے۔ نواب کی شان میں قصیدہ لکھا۔ قائم کی سفارش سے دربار میں رسائی ہوئی اور سرکار میں ملازم ہو گئے''۔[۳۶]

افسر صدیقی لکھتے ہیں:

''مصحفی آنولے میں بے روزگار تھے اور ایک قصیدۂ مدحیہ لکھ کر ٹانڈے پہنچے اور قائم سے ملے۔ یہ قائم سے ان کی پہلی ملاقات تھی اور اسی ملاقات میں قائم کو اپنی لیاقت و ذہانت کا اتنا گرویدہ بنایا تھا کہ انھوں نے مصحفی کو نواب کے سامنے پیش کر دیا اور ملازم رکھ لیے گئے''۔[۳۷]

مصحفی ٹانڈے میں امیر کی دعوت پر نہیں بلکہ خود ہی آگئے تھے۔ انھوں نے ٹانڈے کے ادبی ماحول کا ذکر سن رکھا تھا مگر امیر کے دربار میں رسائی خود مصحفی کے بیان کے مطابق قائم ہی کے ذریعے ہوئی اور انھوں نے ایک قصیدہ پیش کیا۔

(بقیہ صفحہ پر)

اردو دنیا

اردو مترجمین کی کتنی اسامیاں خالی ہیں؟

متعلقہ محکمے کو علم ہی نہیں، آر ٹی آئی سے انکشاف

بلرامپور (۳ جنوری)۔ ریاستی حکومت اردو مترجمین کی تقرری کے لاکھ وعدے کرے لیکن زمینی حقیقت یہ ہے کہ جن افسران کو تقرری کرنی ہے ان کو جب یہ پتا ہی نہیں ہے کہ کن اضلاع میں اردو مترجمین کی کتنی جگہیں ہیں تو تقرری کیسے ہوگی؟ آر ٹی آئی سے انکشاف ہوا ہے کہ اترپردیش میں اردو مترجمین کی کئی جگہیں خالی ہیں۔ اس تقرری کی ذمہ داری پوری کرنے والے محکمے کو خالی جگہوں کا پتا نہیں ہے۔ آر ٹی آئی ایوارڈ یافتہ محمد اطہر شمسی نے بتایا کہ انھوں نے ۲۹ نومبر ۲۰۱۳ کو چیف سکریٹری کے یہاں ایک آر ٹی آئی ڈال کر اس بات کی معلومات چاہی کہ اترپردیش کے سبھی ضلعوں میں اردو مترجمین کی کتنی جگہیں ہیں اور ضلع وار اس میں سے کتنی جگہیں خالی ہیں، اس کا جواب بہت چونکانے والا ملا۔ آر ٹی آئی کا جواب دیتے ہوئے سریش چندریادو ایس ڈی او محکمہ پرسنل نے اپنے جواب ۲۹ دسمبر میں بتایا کہ اردو مترجمین کی خالی جگہوں کا کوئی علم ان کے محکمے کو نہیں ہے۔ ایسے میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ جب تقرری کرنے والے محکمے کو ہی خالی جگہوں کا علم نہیں ہے تو اردو مترجمین کی تقرری کیسے ہوگی؟

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیا جائے

ممبئی (یکم جنوری)۔ ممبئی میں واقع شیواجی مندر ناٹیہ گرہ اسمبلی ہال میں گوونڈی میں باذوق افراد کے لیے ایک کل ہند مشاعرے کا انعقاد گزشتہ شب شیواجی نگر میں منعقد کیا گیا جس میں ملک کے نامور شعرا و شاعرات نے شرکت کی نیز اس مشاعرے کی سماعت کے لیے سامعین کی بھی کثیر تعداد موجود تھی۔ وہیں ادبا و دانشوران شہر نے فروغ اردو کے لیے جاری اپنی تحریک بھی سامعین کے روبرو پیش کی۔ رکن اسمبلی ابوعاصم اعظمی نے اس موقعے پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اردو زبان ملک کی سب سے بہترین زبان ہے اس کی تو کل پوری دنیا ہے لیکن اس کو اپنے ہی ملک میں بیگانہ بن کر رہنا پڑتا ہے۔ انھوں نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ سرکاری محکموں میں اردو زبان کو بھی شامل کرے، اردو زبان میں دی گئی درخواستیں قبول کی جائیں اور ان پر عمل بھی کیا جائے نیز اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دے ورنہ سماج وادی پارٹی اس کے لیے حکومت کے خلاف مظاہرہ کرے گی۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

بہار میں اردو کی ترقی و ترویج کے لیے نئی پالیسی: نتیش کمار

بڑے پیمانے پر اساتذہ کی بحالی اور ادیبوں کے لیے گرانٹ کا منصوبہ

پٹنہ (۳ جنوری)۔ وزیر اعلا بہار نتیش کمار نے کہا ہے کہ ریاستی حکومت نے اردو کی ترقی کے لیے نئی پالیسی بنائی ہے اور اسکولوں میں اردو ٹیچروں کی بحالی کی جائے گی۔ وزیر اعلا نتیش کمار یہاں دو روزہ جشن اردو کے موقعے پر خطاب کر رہے تھے۔ انھوں نے کہا کہ اردو اکادمی کے ذریعے اردو ادیبوں کے لیے گرانٹ منصوبہ چلایا گیا ہے۔ وزیر اعلا نے کہا کہ اردو ہماری تہذیب کا حصہ ہے، ہم اپنی زبان کی بدولت زیادہ ترقی کر سکتے ہیں۔ اردو اور ہندی کو مل کر تبادل بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ عوام کی زبان میں جو باتیں ہوتی ہیں وہ زیادہ مقبول ہوتی ہیں۔ اس موقعے پر وزیر اعلا نتیش کمار نے اردو کتابوں کی نمائش کا بھی افتتاح کیا۔

وزیر اعلا نتیش کمار نے کہا کہ ریاستی حکومت بہار کے تمام اسکولوں میں اردو پڑھانے کے لیے تمام ضروری سہولیات فراہم کرنے کی پابند عہد ہے علاوہ ازیں ریاست کی اس دوسری سرکاری زبان کو فروغ دینے کے لیے تمام ممکنہ اقدام کرے گی۔ یہاں منعقدہ جشن اردو پروگرام سے خطاب کرتے ہوئے مسٹر کمار نے مزید کہا کہ اردو ایک ثروت مند زبان ہے اور صدیوں سے ملک کی تہذیب و ثقافت کو مالا مال کر رہی ہے۔ انھوں نے کہا کہ اردو اور ہندی دونوں بہن کی طرح ہیں اور ملک کی ترقی اور استحکام میں یکساں رول ادا کر رہی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ یہ ایک اہم مسئلہ ہے اور اس پر اردو کے فروغ کے لیے سرگرم افراد اور تنظیموں کے ساتھ صلاح و مشورہ کرنا چاہیے۔ انھوں نے کہا کہ اردو کے ادیب، شاعر اور دانش ور حضرات کو بھی اس صورت حال کو بہتر بنانے کے لیے سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔ اس موقعے پر مہمان اعزازی کے طور پر پدم شری ڈاکٹر کلیم احمد عاجز، رضی احمد، علیم اللہ حالی، پروفیسر اسلم آزاد وغیرہ موجود تھے۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

گورنمنٹ اردو اسکولوں کے مسائل کے حل کی یقین دہانی

حیدرآباد (۳۱ دسمبر)۔ بیرسٹر اسد الدین اویسی ایم پی کی ہدایت پر جناب محمد معظم خان ایم ایل اے نے گورنمنٹ اردو میڈیم اسکولوں کے اہم مسائل کی یکسوئی کے لیے آج مجلس ٹیچرس یونین اے پی کے عہدیداروں کے ساتھ ریجنل جوائنٹ ڈائرکٹر اسکول ایجوکیشن کے آفس واقع گن فاؤنڈری پر بھرپور نمائندگی کی، جس کے نتیجے میں ریجنل جوائنٹ ڈائرکٹر اسکول ایجوکیشن نے پیش کردہ تفصیلی یادداشت میں مذکورہ مسائل کا اعتراف کرتے ہوئے یقین دلایا کہ وہ جلد سے جلد ان کی یکسوئی کے لیے ضروری کارروائی کریں گے، جن میں اردو میڈیم پرائمری اسکولوں کو ہائی اسکول کا درجہ دینا، ہیڈ ماسٹر کی خالی اسامیوں کو پُر کرنا، اسپیشل ودیا والینٹرس جو DSC 2002 کے سرکاری ٹیچرس ہیں انھیں گزشتہ چار ماہ سے نہیں دی گئی تنخواہ کی فی الفور اجرائی، زیر تعمیر اسکول عمارتوں کی جلد سے جلد تکمیل اور اسکولس انفرا اسٹرکچر کی فراہمی وغیرہ شامل ہیں۔

(اعتماد۔ حیدرآباد)

اردو کو درپیش مسائل کا جائزہ لینے کے لیے اقدام

حیدرآباد (۶ جنوری)۔ آندھرا پردیش اسٹیٹ اقلیتی کمیشن نے اردو زبان کی ترقی و ترویج کے لیے ایک کمیٹی کا قیام عمل میں لایا ہے۔ آج سکریٹریٹ کے ایچ بلاک میں واقع کمیشن کے دفتر میں کمیٹی کا پہلا اجلاس جناب عابد رسول خاں (صدر اقلیتی کمیشن اے پی) کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اردو زبان کی ترویج و اشاعت کے لیے کمیٹی کے اراکین نے مختلف تجاویز پیش کیں۔ نیز کمیٹی کو دو حصوں میں منقسم کیا گیا ہے تاکہ بنیادی سطح پر اردو کو جو مسائل درپیش ہیں ان کا جائزہ لیا جاسکے۔ کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا کہ سرکاری مدارس میں اردو کے طلبہ اور اساتذہ کی تفصیلات حاصل کریں اور خانگی مدارس جو انگریزی میڈیم کے ہیں، ان میں اردو مادری زبان اختیار کرنے والے کتنے طلبہ ہیں ان کی تفصیلات حاصل کریں گے اور یہ بھی جانکاری حاصل کریں گے کہ وہ اسکول کیوں اردو کو دوسری سرکاری زبان کی حیثیت سے اختیار نہیں کرتے۔ اس کے علاوہ حکومت آندھرا پردیش نے تا حال اردو کی ترقی کے لیے کتنے جی اوز جاری کیے ہیں اور ان پر کس حد تک عمل درآمد ہو سکا ہے، جائزہ لیا جائے گا۔ کمیٹی برائے ترویج اردو زبان کے اراکین محمد عبدالرب انصاری، ایس کے افضل الدین، محمد مسعود الدین احمد، عنایت علی، اسعد اللہ خان شکیل، رؤف خیر، خواجہ نصیر الدین، سید شوکت، سید ہدایت، ڈاکٹر عبدالوارث کے علاوہ دیگر اراکین نے اجلاس میں شرکت کی۔ اجلاس کے آخر میں جناب عابد رسول خاں نے کہا کہ اندرون ایک ماہ کمیٹی کو چاہیے کہ وہ اپنی رپورٹ کمیشن کو پیش کرے تاکہ اس پر مزید گفتگو کرنے کے بعد ان تمام سفارشات کو حکومت آندھرا پردیش کو پیش کیا جائے۔

(اعتماد۔ حیدرآباد)

اردو میڈیم اسکولوں کی زبوں حالی دور کرنے کی اپیل

حیدرآباد (۳۱ دسمبر)۔ جناب شیخ عبدالرحمن باوزیر نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ اردو میڈیم اسکولوں کی تعداد میں سال بہ سال کمی ہوتی جارہی ہے جس کا اعتراف خود ڈاکٹر وسکریٹری اردو اکیڈمی ایس اے شکور نے حال ہی میں اردو گھر میں اپنی تقریر کے دوران کیا۔ افسوس اس بات کا ہے کہ بعض اردو میڈیم اسکولوں میں بنیادی سہولتیں فراہم نہیں ہیں۔ صفائی کا انتظام نہ ہونے کے برابر ہے۔ بعض اسکولوں میں طلبہ صفائی کا انتظام خود کر لیتے ہیں نیز اساتذہ کی کمی بھی ہے، اسی لیے ان اسباب کی بنا پر خود اردو عوام اپنے بچوں کو انگلش میڈیم اسکولوں میں داخلہ دلوا رہے ہیں۔ جناب شیخ عبدالرحمن باوزیر نے اقلیتی بہبود کے وزیر محمد احمد اللہ، ڈاکٹر وسکریٹری اردو اکیڈمی ایس اے شکور اور عابد رسول خاں کے علاوہ شہر حیدرآباد کی تمام اردو تنظیموں کے سربراہوں سے بھی اپیل کی کہ وہ اردو میڈیم اسکولوں کا معائنہ کریں تاکہ ساری صورت حال سے واقف ہو کر ان کے مسائل کا ازالہ کر سکیں۔

(اعتماد۔ حیدرآباد)

انجمن ترقی اردو (ہند)، ممبئی کی تشکیل نو

ممبئی۔ انجمن ترقی اردو (ہند) کی ممبئی شاخ کی گزشتہ دنوں تشکیل نو عمل میں آئی۔ جس میں درج ذیل حضرات عہدیداران اور اراکین مقرر ہوئے:

صدر: پروفیسر عبدالستار دلوی
نائب صدر: ڈاکٹر صاحب علی
سکریٹری: سید محمد عباس مجتبیٰ
خازن: ڈاکٹر سعیدہ جمیل
اراکین: عبدالاحد ساز، محمد حسین پرکار، زبیر اعظمی، فرحان آزاد، سید طاہر عباس، وقار قادری، ڈاکٹر جمال رضوی، ڈاکٹر رام پنڈت اور یوسف دیوان۔

آندھرا بینک کی عمارتوں پر اردو سائن بورڈ نصب کرنے کی یقین دہانی

حیدرآباد (۳۱ دسمبر)۔ جناب سید مجتبیٰ عابدی اور جناب محمد منیر قادری کی قیادت میں ایک وفد نے آندھرا بینک کے ڈپٹی ڈائرکٹر جنرل وی پرساد اور چیف منیجر ایم نوین کمار سے ملاقات کر کے آندھرا بینک کی عمارتوں پر اردو سائن بورڈ لگانے کے لیے نمائندگی کی۔ ان عہدیداروں نے اس پر ہمدردانہ غور کرنے کا یقین دیا۔ سید مجتبیٰ عابدی نے کہا کہ ریاست کے مختلف سرکاری محکموں کے سائن بورڈوں پر بھی اردو تحریر کرنے کے لیے نمائندگیاں کی جارہی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ اردو کو آندھرا پردیش کے کئی اضلاع میں دوسری سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے اس لیے اس زبان کی سرکاری سرپرستی حاصل ہونی چاہیے۔

(اعتماد۔ حیدرآباد)

اسٹاف سلیکشن کمیشن سے اردو پرچے کے دوبارہ امتحان کرانے کی مانگ

کلکتہ (یکم دسمبر)۔ انجمن ترقی اردو مغربی بنگال کی مجلس عاملہ کی ایک میٹنگ ۳۰ دسمبر ۲۰۱۳ء کو ڈاکٹر سعیدالدین کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ سکریٹری ایم اے قاسم بیگ نے انجمن کے معزز ممبران کو بتایا کہ ۱۵ دسمبر کو اسٹاف سلیکشن کمیشن کا امتحان ہوا تھا۔ اس کے سوال نامے میں 50 نمبر کے اردو کے بھی سوالات تھے، ان کو پڑھا نہیں جا سکتا تھا۔ آپ غور کریں کہ جب آپ سوال پڑھ نہیں سکتے تو جواب کیسے دیجیے گا۔ ظاہر ہے کہ اردو زبان کے بچوں نے 50 نمبر کے سوال کو چھوڑ دیا۔ اس صورت میں ان کی کامیابی کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ لہٰذا انجمن کمیشن سے مطالبہ کرے کہ وہ اردو پرچے کا دوبارہ امتحان لے۔ ایسا نہیں کرنے کی صورت میں اردو زبان کے بچوں کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔ اس کے علاوہ کانسٹیبل اور سب انسپکٹر کے امتحانات اب تک انگریزی، بنگالی، ہندی اور نیپالی زبان میں ہوتے رہے ہیں۔ وزیر اعلیٰ ممتا بنرجی کی اردو نوازی سے اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہوا، اس لیے کانسٹیبل اور سب انسپکٹر کے امتحان میں سوالات کے جوابات اردو میں بھی لکھنے کی اجازت دی جائے۔ ماسٹر سراج الدین نے بتایا کہ ۲۶ جنوری کو یک ڈے کے طور پر منانے کے لیے اسکولوں کو سرکلر دیا گیا ہے جب کہ اردو میڈیم کے پرائمری اور ہائی اسکولوں میں ایک بھی کتاب فراہم نہیں کی گئی ہے، اس لیے ہماری حکومت کے محکمہ تعلیم سے گزارش ہے کہ جلد سے جلد اردو میڈیم اسکولوں کو کتاب فراہم کی جائے۔ ڈاکٹر نہال احمد نے ممبران کو بتایا کہ ریاستی اردو کونشن کی تیاری زور و شور کے ساتھ جاری ہے۔ محمد قسیم الدین، محمد نسیم، محمد مسلم اور ڈاکٹر سعیدالدین نے مذکورہ بالا رپورٹ کو تشویشناک اور تکلیف دہ بتایا اور کہا کہ اس جلسے میں انجمن کا وفد جلد سے جلد مغربی بنگال اردو اکیڈمی کے وائس چیئرمین ڈاکٹر منال شاہ قادری اور اقلیتی کمیشن کے چیئرمین جناب اشتیاق علی سے ملاقات کرے اور ان سے مذکورہ زیادتی اور ناانصافی کے خلاف کارروائی کی مانگ کرے۔

(اخبار مشرق، کلکتہ)

ممتاز ادیب اور نقاد وارث علوی کی وفات پر اردو گھر میں تعزیتی نشست

نئی دہلی۔ اردو کے نامور ادیب اور نقاد وارث علوی کا ۹ جنوری ۲۰۱۴ء کو صبح آٹھ بجے احمد آباد میں انتقال ہو گیا۔ وہ تقریباً ۸۵ برس کے تھے۔ ان کی وفات پر ۱۰ جنوری ۲۰۱۴ء کو انجمن ترقی اردو (ہند) کے مرکزی دفتر اردو گھر میں ایک تعزیتی نشست منعقد ہوئی۔ نشست کے آغاز میں انجمن کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر اطہر فاروقی نے خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے وارث علوی کی وفات کو اردو تنقید کا بڑا خسارہ قرار دیا اور کہا کہ ان کی تنقید میں طنز و مزاح کا ایسا عنصر ہوتا تھا جس سے عام قارئین کے علاوہ وہ تخلیق کار بھی جس پر وہ طنز کے تیر چلاتے تھے، محظوظ ہوتا تھا۔ ڈاکٹر اطہر فاروقی نے بتایا کہ وارث علوی صاحب ۱۱ جون ۱۹۲۸ء کو احمد آباد (گجرات) میں پیدا ہوئے تھے۔ انھوں نے دو درجن سے زیادہ کتابیں تصنیف و تالیف کیں، جن میں 'تیسرے درجے کا مسافر'، 'فکشن کی تنقید کا المیہ'، 'اوراق پارینہ'، 'ادب کا غیر اہم آدمی'، 'راجندر سنگھ بیدی: ایک مطالعہ' اور 'جدید افسانہ اور اس کے مسائل' وغیرہ کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی۔

جناب شاہد ماہلی صاحب نے اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا کہ اردو کے نامور نقاد، انشاپرداز اور دانش ور جناب وارث علوی کا انتقال اردو ادب کا بہت بڑا نقصان ہے۔ اس کی کو پورا کرنا بہت مشکل ہے۔ اردو کے لیے یہ سال بہت ہی نقصان دہ رہا ہے۔ اس سال اردو کے کئی نامور ادیب اور نقاد ہم سے جدا ہو گئے۔

جناب سید شریف الحسن نقوی نے اپنے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ وارث علوی صاحب ایک بیباک اور جرأت مند نقاد تھے، وہ بہت ہی صاف گوئی سے اپنی بات کہتے تھے۔ اردو ادب میں اب اس درجے کے نقاد بہت کم ہیں۔ ان کے انتقال سے اردو ادب اور تنقید کا عظیم خسارہ ہوا ہے۔

ڈاکٹر اسلم پرویز نے کہا کہ وارث علوی صاحب کی وفات سے اردو کے نامور ادیبوں کی صف میں ایک زبردست خلا پیدا ہو گیا ہے۔ وارث علوی صاحب نہایت وسیع المطالعہ شخص تھے۔ ان کو اردو کے علاوہ انگریزی ادب پر بھی عبور حاصل تھا۔ ان کی نظر بہت گہری تھی۔ انھوں نے اپنی تنقید کو بہت سے دوسرے نقادوں کی طرح گورکھ دھندہ نہیں بنایا۔ وہ بڑے سے بڑے اور پیچیدہ موضوع کو انتہائی شگفتگی کے ساتھ اپنی تحریروں میں لاتے تھے۔ ان کی تحریروں میں بلا کی پرکاری تھی لیکن انتہائی سادگی کے ساتھ۔ ان کی تحریر ہر شخص کے پڑھنے کی چیز تھی چاہے تنقید سے اس کا علاقہ ہو یا نہ ہو، یہ بڑی بات تھی۔

ڈاکٹر خلیق انجم نے کہا کہ وارث علوی صاحب کا میدان تنقید تھا اور میرا میدان تحقیق ہے۔ محققین کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ خشک مزاج ہوتے ہیں لیکن وارث علوی کی تحریر میں نہ صرف تنقید میں دلچسپی رکھنے والے کو لطف آتا تھا بلکہ عام قاری بھی لطف اندوز ہوتا تھا۔ ان کی موت سے ہم نے اردو کا ایک بیش قیمتی جواہر کھو دیا ہے جس کا کوئی بدل نہیں۔

انجمن کے صدر پروفیسر صدیق الرحمن قدوائی نے خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ وارث علوی صاحب کی وفات سے اردو ادب کا ایسا نقصان ہوا ہے جسے آسانی سے پُر نہیں کیا جا سکتا۔ اردو تنقید میں ان کی قابل قدر خدمات ہیں جنھیں کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ انھیں اردو ادب کے علاوہ انگریزی ادب پر بھی غیر معمولی قدرت حاصل تھی۔ ان کی تنقید میں بڑی بیباکی ہوتی تھی۔ ان کی تحریروں سے ہر خاص و عام استفادہ کرتا تھا۔ بلاشبہ ان کے انتقال سے ہم عصر حاضر کے ایک بہت بڑے ادیب اور نقاد سے محروم ہو گئے۔

(رپورٹ: محمد عارف خاں)

اک دیا اور بجھا

لکھنؤ۔ مشہور و ممتاز صحافی اور قومی آواز اردو کے سابق چیف ایڈیٹر پدم شری عشرت علی صدیقی کا ۳ جنوری ۲۰۱۴ء کو لکھنؤ میں انتقال ہو گیا۔ وہ 95 برس کے تھے۔ مرحوم عشرت علی صدیقی کو ۲۲ دسمبر ۲۰۱۳ء کو فریکچر ہو جانے کے بعد لکھنؤ کے ایک اسپتال میں داخل کرایا گیا تھا۔ ۴ جنوری کو ان کی تدفین صدر قبرستان میں عمل میں آئی۔ عشرت علی صدیقی نے اپنی صحافتی زندگی کا آغاز ہفت روزہ 'ہندوستان' سے شروع کیا تھا، پھر حیدرآباد میں روزنامہ 'پیغام' سے وابستہ ہو گئے اور ۱۹۳۶ء میں جب پنڈت جواہر لال نہرو نے 'قومی آواز' شروع کیا تو وہ بطور اسسٹنٹ ایڈیٹر اس سے منسلک ہو گئے۔ بعد میں اس کے چیف ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ عشرت علی صدیقی صاحب نے جدوجہد آزادی میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا اور جیل کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ انھوں نے اردو صحافت کو نئی بلندیوں تک پہنچانے میں نمایاں رول ادا کیا۔ دہلی اردو اکادمی نے ان کی علمی و صحافتی خدمات کے اعتراف میں 'بہادر شاہ ظفر ایوارڈ' سے سرفراز کیا تھا۔

ادارہ 'ہماری زبان' مرحوم کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کرتا ہے۔ (ادارہ)

ٹی ای ٹی پاس معلمین کو اردو ٹیچرس بنانے کا مطالبہ

متوناتھ بھنجن، یوپی (یکم جنوری)۔ معلم اردو سند یافتگان کی ایک میٹنگ محلہ ڈوم پورہ میں محمد طارق کی صدارت میں منعقد ہوئی، جس میں بڑی تعداد میں معلمین نے شرکت کی۔ اس موقع پر محمد طارق نے اپنے خطاب میں کہا کہ سماج وادی پارٹی نے الیکشن کے دوران دعویٰ کیا تھا کہ ہماری حکومت بننے کے بعد بھی معلم اردو سند یافتگان کو اردو ٹیچر بنایا جائے گا۔ مگر حکومت آنے کے بعد سرکار نے ٹی ای ٹی کی شرط لگا دی اور معلم اردو سند یافتگان نے ٹی ای ٹی بھی پاس کر لیا اور جب اردو ٹیچر کی بھرتی کا وقت آیا تو اس کے اندر ہائی اسکول کی شرط لگا کر معلم اردو سند یافتگان کے ساتھ دھوکہ کیا گیا اور منشی، مولوی اور ادیب والوں کو یہ کہہ کر واپس کر دیا گیا کہ ہائی اسکول کی سند چاہیے حالانکہ منشی اور مولوی کے لیے خود سرکار کا حکم نامہ موجود ہے جس میں منشی اور مولوی کو ہائی اسکول کے مساوی مانا گیا ہے۔ ایسے میں منشی اور مولوی کے سند یافتگان کو واپس کیا جانا سرکاری حکم کی توہین ہے اور حال ہی میں ہائی کورٹ کا فیصلہ بھی آ گیا ہے جس کے اندر منشی، مولوی، ادیب کو ہائی اسکول کے مساوی مان کر اردو ٹیچر کی کاؤنسلنگ میں شامل کرنے کا حکم دیا گیا لیکن افسوس کہ ہائی کورٹ کے فیصلے کو بھی نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ میٹنگ میں وزیر اعلیٰ اترپردیش سے مطالبہ کیا گیا کہ تمام معلمین اردو جنھوں نے کہ ٹی ای ٹی پاس کیا ہے انھیں فوری اردو ٹیچر کے عہدے پر تقرری دی جائے تاکہ اردو والوں میں جو سماج وادی پارٹی کے تئیں بھروسہ ہے وہ برقرار رہے۔ جلد ہی اس معاملے کو لے کر ایک وفد وزیر اعلیٰ سے ملاقات کرنے والا ہے تاکہ معلمین اردو کے ساتھ جو ناانصافی ہوئی ہے اس پر لگام لگائی جا سکے۔ (راشٹریہ سہارا، دہلی)

سیٹھ کیسری مل پوروال کالج میں مرزا غالب کی ۲۱۶ ویں یوم ولادت منائی گئی

کامٹی، مہاراشٹر (پریس ریلیز)۔ "مرزا اسد اللہ خاں غالب ایک عظیم شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ قومی اتحاد و یکجہتی کے بھی علمبردار تھے۔" ان خیالات کا اظہار جلسے کے مہمان خصوصی ڈاکٹر وجے لکشمی رام ٹیکے نے کیا جب کہ ڈاکٹر اروِنا وشکرما نے انھیں ایک عظیم شاعر اور ہندوستان کی ملی جلی تہذیب کا علمبردار قرار دیا۔ تقریب کی صدارت ڈاکٹر اشفاق انصاری نے کی۔ صدر شعبۂ اردو ڈاکٹر اطہر ابرار اور محمد اسرار نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اس تقریب میں حنا کوثر، خدیجہ ناز، عمرانہ تبسم، جمیلہ سلطانہ نے بھی غالب کے حالات زندگی اور ان کی خدمات پر مشتمل مضامین پڑھے۔ نظامت کے فرائض عاطف حسین نے انجام دیے۔ آخر میں ڈاکٹر اطہر ابرار کے ہدیۂ تشکر پر تقریب اختتام پذیر ہوئی۔

*****

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : قادر نامہ
مصنف : اسد اللہ خاں غالب
مرتب : عادل اسیر دہلوی
ضخامت : ۱۶ صفحات
قیمت : ۱۲ روپے
ناشر : ملک بک ڈپو 3212 ترکمان گیٹ، دہلی-6
تبصرہ نگار : انور کمال حسینی

غالب اردو کے منفرد و مقبول شاعر ہیں۔ آج بھی ان کے مختصر سے دیوان کو مختلف شعرا کے کلیات پر ترجیح دی جاتی ہے۔ بلاشبہ اردو شاعری کے لیے ان کا مختصر سا دیوان مایۂ ناز ہے جسے مرزا غالب بے رنگ کہتے رہے۔ عادل اسیر کے اس اظہار خیال کی مبصر تائید ہی کرے گا کہ ''مرزا غالب کو اپنی فارسی شاعری پر بہت ناز تھا۔ ان کو اپنی فارسی شاعری ایران کے فارسی شعرا کے ہم پلہ نظر آتی تھی، اس کے باوجود ان کی ادبی شہرت اور مقبولیت کا تمام دار و مدار اردو شاعری پر ہے جس کو وہ ہمیشہ بے رنگ کہتے رہے''۔ اور عادل اسیر کی خصوصی صلاحیت ہے کہ انھوں نے غالب کے کلام میں سے بھی بچوں کے لیے مواد پالیا اور بقول موصوف: ''قادر نامہ فارسی کی ابتدائی درسی کتاب 'آمد نامہ' میں شامل فارسی الفاظ کے معنی پر مشتمل ہے۔ اس میں روزمرہ کے فارسی الفاظ اور ان کے اردو مترادفات نظم کیے گئے ہیں۔ فارسی، عربی اور بعض ترکی الفاظ کے معنی 'قادر نامہ' میں اس قدر دل فریب انداز میں نظم کیے گئے ہیں کہ خشک موضوع پر ہونے کے باوجود انتہائی دل چسپ تاثر دیتے ہیں اور اس کی حیثیت ایک جہت سے اور اہم ہو جاتی ہے کہ یہ اردو کے سب سے بڑے شاعر کو ادب اطفال سے جوڑتی ہے اور غالب کی اس چھوٹی سی تصنیف کو ہمارے ادب میں ایک بڑا مقام عطا کرتی ہے۔ ہم فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے عظیم شاعر نے بھی بچوں کو یاد رکھا''۔

بچوں کے لیے 'قادر نامہ' کی اشاعت کے حوالے سے کہا جا سکتا ہے کہ بچوں کے ادیب و شاعر عادل اسیر نے اردو کے کلاسیکی ادب سے بھی بچوں کے لیے مواد تلاش کر لیا ہے۔ کتاب بیرو کمپوزنگ میں صاف ستھری شائع ہوئی ہے جس کا سرورق غالب کی تصویر سے سجا ہوا ہے۔

⊙⊙⊙

نام کتاب : اجالا (ڈرامے اور فیچرس)
مصنف : ساحل احمد
اشاعت : ۲۰۱۳ء
ضخامت : ۱۴۴ صفحات
قیمت : ۱۵۰ روپے
ناشر : اردو رائٹرس گلڈ، الٰہ آباد
تبصرہ نگار : امیر حمزہ
ameerhamzah033@gmail.com

ساحل احمد ان ادیبوں میں سے ہیں جنھوں نے اپنی زندگی کے اکثر اوقات ادب کی تخلیق میں گزارا۔ دو سو سے زیادہ کتابوں کے مرتب و مصنف ہیں۔ صرف کتابوں کی ترتیب و تصنیف کی دنیا میں محدود نہ رہ کر اخبارات و رسائل کے میدان میں قدم رکھ کر انھوں نے وقت کے ناقدوں کو مجبور کر دیا کہ اس نئی آواز کو بھی سنیں جو دل سے نکل رہی ہے۔ ممتاز محقق و ناقد وزیر آغا کے بہ قول: ''ساحل احمد کے سارے تجربات اس کے اپنے ہیں فطرت کی ساری کروٹیں اس نے پانچوں حسیات سے گرفت میں لی ہیں حتیٰ کہ دکھ بھی اس کے اپنے ہیں''۔ زیر تبصرہ کتاب ان کی تخلیقی کاوشوں کا مجموعہ ہے جس میں چار ڈرامے اور پانچ فیچرس شامل ہیں۔ یہ ڈرامے پیغام سے بھرپور ہیں۔ ان کے کرداروں اور منظر میں خاص ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ وہ خود پیش لفظ میں لکھتے ہیں ''جب پریاگ کلا کیندر، الٰہ آباد کا سکریٹری ہوا تو ضرورتاً بہت سارے ڈرامے تخلیق کیے اور ان ڈراموں کو اسٹیج تک لے جانے کی ذمہ داری مجھ پر ہی عائد ہوتی تھی اور جن ڈراموں کا میں خود کردار ہوتا''۔ ان ڈراموں میں وہ خانگی زندگی کے مسائل کو سامنے لا کر اسے حل کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس کتاب کا پہلا ڈرامہ 'دانشہ' ہے جس میں وہ گھر کے رشتے کو بڑے دل چسپ انداز میں ناظرین کے سامنے لاتے ہیں اور کلائمکس پر پہنچ کر ڈرامے کو بہت خوب صورت انداز میں اختتام تک پہنچاتے ہیں۔

اس کتاب کا دوسرا اہم ڈرامہ 'اجالا' ہے جس کے عنوان سے کتاب کا نام موسوم ہے۔ یہ ڈرامہ کئی خصوصیات کا حامل ہے، جس میں برادری کی ناہمواری، جہیز کے نتائج بد کے علاوہ جو چیز سب سے اہم ہے وہ لڑکی / بہو کے اندر خود اعتمادی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور تعلیم کو ہتھیار کے طور پر استعمال کرکے معاشرے کو تعلیم کے حصول کی ترغیب دی گئی ہے۔ ان کے علاوہ 'ڈرامے غالب ایک تمثیل' جس میں غالب کی زندگی اور شاعری پیش کی گئی ہے۔ جس میں صرف دو کردار ہیں ایک تو مصنف اور دوسرے غالب۔ چوتھا ڈرامہ 'انٹرویو' ایک بہت ہی مختصر اور مزاحیہ ڈرامہ ہے۔

ان ڈراموں میں اسلوب، زبان و بیان اور ہیئت پر مصنف نے کافی زور صرف کیا ہے۔ یہ سب ڈرامے الٰہ آباد میں رہ کر لکھے گئے ہیں اور وہیں پیش کیے گئے ہیں اس لیے ان کے زبان و بیان اور انداز پیش کش میں وہاں کے رنگ و اسلوب کا اثر ہے۔ ڈرامے کے کردار کے مطابق زبان کو کافی اچھے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

فیچرس کے تحت ان کا پہلا فیچر 'رباعی' ہے جس میں رباعی کی تعریف کے ساتھ ساتھ رباعی کا سفر اردو میں قطب شاہی عہد سے لےکر تا حال بہت ہی دل چسپ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ بہت ہی علمی فیچر ہے جس میں انھوں نے رباعی کے تمام جہات پر روشنی ڈالی ہے۔ بقیہ فیچرس 'غزل'، 'اردو شاعری شمالی ہند میں'، 'لکھنؤ اسکول' اور 'شاد عظیم آبادی' بھی دل چسپ ہیں۔

مجموعی طور پر یہ ڈرامے کافی اچھے ہیں، امید ہے کہ ان کی پذیرائی کی جائے گی۔

⊙⊙⊙

بقیہ: آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل...

صفحہ ۳ سے آگے

کبھی مدرسے کے طلبہ کو دیکھ پاتے ان کے ساتھ بزرگانہ شفقت کا اظہار فرماتے۔ جو طلبہ ان کی کوٹھی پر ان سے ملنے جاتے ان کے ساتھ عزیزانہ برتاؤ کرتے اور پند و نصائح فرماتے رہتے تھے۔

سرسید کے اور ان کے تعلقات کو درست کرنے کی مختلف اوقات میں مختلف تدابیر گرامی قدر اصحاب نے کیں۔ ایک مرتبہ نواب وقار الملک اپنی اسی غرض سے علی گڑھ تشریف لائے، مگر جو رشتہ ٹوٹ چکا تھا وہ دونوں کی زندگی تک پھر نہ جڑ سکا اور مدرسۃ العلوم کی تاریخ میں واقعۂ مذکور داستان حسرت بن کر رہ گیا جس پر ہر زمانہ اپنے اپنے وقت میں افسوس کرے گا۔ جب تک وہ زندہ رہے علی گڑھ اور نواح علی گڑھ و بلند شہر کے رؤسا میں ان کی خاص منزلت اور توقیر تھی اور سب کے سب باادب پیش آتے تھے جو عمر کے لحاظ سے برابر کے تھے وہ ان کے دوست تھے اور جو ان سے چھوٹے تھے وہ ان کے چھوٹے تھے۔ الٰہ آباد میں یونیورسٹی تھی، مشہور میور سنٹرل کالج کے مسلمان طلبہ کی اقامت میں دشواریاں تھیں۔ اس ضرورت کے لحاظ سے 1892 میں انھوں نے مسلم بورڈنگ ہاؤس کی بنیاد ڈالی۔ ستر ہزار روپے میں اس عمارت کی تکمیل ہوئی جو الٰہ آباد میں مسلمانوں کی تعلیم کا اس وقت بڑا سہارا ہے۔

27 دسمبر 1886 کو آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے وہ پہلے خطیب اور صدر اول قرار دیے گئے۔ آج جس جگہ 'اسٹریچی ہال' اپنی مشہور روایات کے لحاظ سے کافی سے زیادہ شہرت رکھتا ہے اس جگہ پر کانفرنس کا عارضی پنڈال بنایا گیا تھا اور جس میں خطبۂ ذیل جو کانفرنس کی پیدائش کے لحاظ سے بالکل سادہ ہے مولوی صاحب کی زبان سے حاضرین کانفرنس نے سنا تھا۔ بالآخر:

جہاں اے برادر نماند بکس
دل اندر جہاں آفریں بند و بس

انتقال سے دو ایک برس پہلے بالکل گوشہ گیر ہو گئے تھے۔ دن رات کے بیشتر اوقات یاد خدا اور عبادت گزاری میں بسر ہوتے تھے۔ کبھی کبھی اجمیر اور دلی کی خانقاہوں اور مزارات کی زیارت کرکے ہفتوں وہاں مشغول اوراد و اشغال رہتے تھے اور پھر علی گڑھ واپس آجاتے تھے۔ رحلت سے کچھ عرصہ قبل معمولی علالت رہی۔ 74 برس کی عمر میں یہی علالت باعث موت بن گئی۔ 17 اپریل 1908 کو علی گڑھ میں وفات پائی، حسب وصیت لاش دہلی پہنچائی گئی اور حضرت سلطان المشائخ کے جوار میں دفن کیے گئے۔

عربی شاعر نے ایسے ہی لوگوں کے لیے کہا ہے:

یفارق الناس جسمٌ جدّ مدفنُ
بحر المعارف فی المعروف مشہور

(ایک بزرگ نے لوگوں کو چھوڑ دیا جو علم و معرفت کا دریا اور احسان میں مشہور تھا)

خطبۂ صدارت

اے معزز حاضرین! سب سے پہلے میں اپنے اوپر ان معزز اہل جلسہ کا شکریہ ادا کرنا فرض سمجھتا ہوں جنھوں نے مختلف مقامات سے تشریف آوری کی تکلیف گوارا کی ہے اور دور دراز فاصلے سے قوم کو بھلائی پہنچانے کے ارادے سے تشریف لاکر اس جلسے میں شریک ہوئے ہیں۔ اس کے بعد میں اس عزت کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو آپ سب صاحبوں نے اپنی مہربانی سے مجھ کو اس جلسے کا صدر انجمن ہونے سے بخشی ہے۔

اے صاحبان! آج کا جلسہ ایک ایسا جلسہ ہے کہ جو مسلمانوں کی تاریخ میں اگر وہ لکھی جائے گی تو ایک بے نظیر جلسہ شمار کیا جائے گا۔ سب لوگ اس سے واقف ہیں کہ دنیا میں جو چیز قابل عزت خیال کی جاتی ہے وہ سولیزیشن ہے جس کا ترجمہ آسان لفظوں میں شائستگی ہو سکتا ہے اور جو دو جزؤں سے مرکب ہے، ایک تعلیم سے اور دوسری تربیت سے۔ جب کسی ملک میں تعلیم ترقی پر ہوتی ہے تو تربیت بھی اس کے ساتھ ترقی پر ہوتی ہے۔ انسان کو سب ملکوں میں مختلف لفظوں سے اشرف المخلوقات کہتے ہیں لیکن جب یہ سوال ہو کہ یہ خطاب اس کو کیوں دیا گیا ہے تو جواب یہی ہوگا کہ تعلیم کی وجہ سے۔ انسان اور دیگر حیوان میں تعلیم اور تربیت کا فرق ہے۔ تعلیم اور تربیت ہی ایسی چیز ہے جس سے انسان انسان کہا جاتا ہے۔ دنیا میں تعلیم مختلف طریقوں سے ہوتی آئی ہے اور تربیت کے بھی مختلف طریقے ہیں۔ بعضوں کا قول ہے کہ تعلیم فیضان الٰہی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اشراق کے طریقے سے حاصل ہوتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اکتسابی طریقے سے۔

میں پہلے دونوں طریقوں کا کچھ ذکر نہ کروں گا کیوں کہ ہم کو جو تعلق ہے وہ اکتسابی تعلیم کے طریقے سے ہے، اس اکتسابی تعلیم کے طریقے میں ہماری قوم اگلے زمانے میں کیسی ہی اعلا درجے پر ہو مگر اس زمانے میں سب سے پیچھے ہے۔ اس کا سنبھالنا مسلمانوں پر فرض ہے۔ اس بات پر غور کرنے کے لیے کہ

وہ کیوں کر سنبھالی جائے اور اُس کے سنبھالنے کا کون سا طریقہ اختیار کیا جائے، میرے نزدیک کانگریس کا طریقہ اس کے لیے نہایت عمدہ اور مفید ہے۔

ہمارے ملک میں بے شک لوگوں کے دلوں میں قوم کے سنبھلنے کا خیال پیدا ہوا اور لوگوں نے مختلف طریقے اس کے اختیار کیے ہیں اور ہر ایک جگہ اپنے اپنے مقاصد کے لحاظ سے تعلیم پر خیال کیا جاتا ہے۔ مگر ہر ایک جگہ مختلف طریقے اس کے خیال کیے گئے ہیں اور اختیار کیے گئے ہیں۔ لوگوں کو ان طریقوں میں اختلاف ہے۔ کوئی خیال کرتا ہے کہ یہی طریقہ قوم کو تعلیم دینے کا سب سے عمدہ ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ اس طریقے سے کچھ بھی ترقی قوم کو نہیں ہو سکتی۔ تعلیم اور قومی ترقی کے مختلف طبقات ہیں اور ان کو خلط ملط کر دینے سے ظاہرا یہ اختلاف پیدا ہوئے ہیں۔ اگر ہماری قوم آپس میں متفق ہو کر اور صلاح اور مشورہ کر کے اور ایک دوسرے کے خیالات سے واقف ہو کر کوئی منضبط طریقہ قوم کی تعلیم اور ترقی کا اختیار کرے تو بلاشبہ قوم کے لیے بہت زیادہ مفید ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس مقصد کے حاصل ہونے کو اس کانگریس سے جس کا آج پہلا اجلاس ہے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں ہے۔

اس طریقے سے تمام لوگوں کو جو قوم کی بھلائی چاہتے ہیں اس بات پر غور کرنے کا یہ خوبی موقع ملے گا کہ ان کی قوم کی تعلیم کا سب سے عمدہ کون سا طریقہ ہے جس سے اُن کی قوم جہالت سے نکلے اور ایسی نامور ہو کہ اور ملک کے لوگ بھی اس کو مہذب اور تعلیم یافتہ سمجھیں۔ مجھے اس بات کا فخر ہے کہ اس مقصد کی کارروائی شروع کرنے کے لیے مجھ کو عزت دی گئی ہے۔ اگرچہ آج کا جلسہ کچھ بہت بڑا جلسہ نہیں ہے، مگر مجھ کو قوی امید ہے کہ آئندہ اس پر لوگوں کو بہت توجہ ہوگی اور ہر سال اس جلسے کو ترقی ہوتی جائے گی۔

اب مجھ کو صرف یہ بات کہنی باقی ہے کہ محمڈن ایجوکیشنل کانگریس کا جلسہ کھولا گیا، پس جو رزولیوشن کہ اس جلسے میں پیش ہونے قرار پائے ہیں وہ پیش کیے جائیں۔

○○○

بقیہ: مصحفی: امروہہ، آنولہ... میں

(صفحہ ۳ سے آگے)

لیکن امیر کی مدح میں مصحفی کے جس قصیدے کا ذکر کیا گیا ہے وہ قصائد مصحفی میں موجود نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ امیر کی بہت سی تخلیقات کی طرح دربار کی تباہی کی نذر ہو گیا ہو۔ چوں کہ اس قصیدے کا ذکر خود مصحفی نے کیا ہے اس لیے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مصحفی نے یہ قصیدہ امیر کے دربار میں پیش کیا۔

ٹانڈے کی مجلس سے مصحفی بہت مرعوب تھے۔ انھوں نے اسے 'مجلس بہشت آئین' کا نام دیا۔ وہ بار بار اپنے تذکروں میں اس مجلس کا ذکر کرتے ہیں۔ اس مجلس کو اردو شاعری کے تیسرے اسکول کی اولین بزم سخن کی حیثیت حاصل ہے جو دہلی اور لکھنؤ کے بعد خاص طور پر علمی اور ادبی مرکز بن گیا تھا۔ نواب محمد یار خاں امیر اس کے بانی ہیں اور مصحفی و قائم دبستان رام پور کے ابتدائی معماروں میں شامل ہیں۔ امیر کے بھائی نواب فیض اللہ خاں نے ایسٹ انڈیا کمپنی اور لکھنؤ کے نواب شجاع الدولہ سے ایک معاہدے کے بعد رام پور میں ایک چھوٹی سی ریاست کی داغ بیل ڈالی اور حکومت کرنے لگے۔ روہیل کھنڈ تقسیم ہونے کے بعد آنولہ (ضلع بریلی) کے پاس ایک چھوٹی سی بستی ٹانڈہ ان کے چھوٹے بھائی محمد یار خاں امیر کے حصے میں آئی اور انھوں نے وہیں سکونت اختیار کی۔ فیض اللہ خاں سپہ گری میں لاثانی تھے۔ محمد یار خاں کو شاعری، مصوری اور موسیقی سے دل چسپی تھی۔ امیر نے اس وقت کے مشہور مصور عاقل خاں سے اس بزم سخن کا ایک مرقع تیار کروایا تھا۔

مصحفی کے بیان کے مطابق قائم چاند پوری مصحفی کی شاعرانہ استعداد سے متاثر ہوئے۔ اسی بنیاد پر افسر صدیقی نے لکھا ہے کہ قائم نے مصحفی سے متاثر ہونے پر امیر کی غزلوں کی اصلاح کے لیے مصحفی کو مامور کیا جب کہ خود مصحفی نے اپنے تذکروں میں امیر کے استاد ہونے کا ذکر نہیں کیا۔ امیر کے سلسلے میں دوسرے تذکرہ نگاروں کے مقابلے میں سب سے زیادہ تفصیل مصحفی ہی کے تذکروں میں ملتی ہے۔ امیر مینائی نے 'انتخاب یادگار' (۱۸۷۳ء) میں پہلے پہل امیر کو مصحفی کا شاگرد بتایا۔ وہ لکھتے ہیں:

''ابتدا میں قائم چاند پوری سے مشورہ تھا اور انتہا میں شیخ غلام ہمدانی مصحفی سے تلمذ ہوا۔''[۲۹]

مصحفی نے امیر کے متعلق لکھا ہے کہ وہ علم موسیقی اور ستار نوازی میں یگانہ استاد تھے اور شعر و شاعری کے قدرداں بھی تھے۔ عاقل خاں مصور نے ان کی فرمائش پر ان کے درباری شعرا کا ایک مرقع تیار کیا تھا۔ ٹانڈے کا دربار اگرچہ مختصر تھا لیکن دل چسپی میں پرانے شاہانہ درباروں کی یادگار تھا۔ اس کے میر مجلس نواب محمد یار خاں امیر تھے۔[۳۰] محمد یار خاں امیر اپنے اس ضرب المثل شعر کی وجہ سے اردو ادب میں زندہ رہیں گے۔

شکست و فتح میاں اتفاق ہے لیکن
مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا

مصحفی نے نواب کی مجلس میں اپنی موجودگی کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

فقیر حقیر مصحفی از حاضرین مجلس او بود۔ بروقت کہ غزل طرحی فرمودند مرتجلاً می رساند

۱۷۷۱ء میں شجاع الدولہ اور شاہ عالم نے مرہٹوں کے ساتھ مل کر روہیل کھنڈ پر حملہ کر کے برباد کر دیا۔[۳۱] نواب ضابطہ خاں کو شکست ہوئی۔ ۱۷۷۴ء میں حافظ رحمت خاں کے قتل کے بعد روہیل کھنڈ پر قبضہ کر لیا۔ اس لڑائی کو جنگ سکھرتال کے نام سے جانا جاتا ہے جس میں ٹانڈے کی بزم سخن بھی درہم برہم ہو گئی۔ چناں چہ امیر کا بیشتر اثاثہ اور اہم دستاویزات وغیرہ ضائع ہو گئے۔ نواب محمد یار خاں کو قید کر کے سکھرتال بھیج دیا گیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ نواب فیض اللہ خاں نے ہار تسلیم نہیں کی اور روہیلوں کو پھر سے جمع کر کے چھپ کر جنگ جاری رکھی۔ بالآخر شجاع الدولہ نے ان سے جنگ نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔

(باقی آئندہ)

www.rekhta.org

اردو ادب کے لیے ایک نئی بشارت

اطہر فاروقی

داناؤں کا یہ قول کہ زندگی ایک حادثے سے ختم نہیں ہوجاتی اردو پر پوری طرح صادق آتا ہے جو بلاشبہ تقسیم کے عظیم حادثے کا شکار ہوئی اور پاکستان نے اردو کو اپنی قومی زبان بناکر ہندستان میں اس کے مستقبل کو مخدوش کرنے کی سازش کی۔ اردو پر تقسیم کے اثرات کے تعلق سے بہت کچھ لکھا گیا ہے جس کی اب اگر کوئی افادیت ہے تو وہ صرف حقی ہے۔ تقسیم سے متاثر ہو جو ہندو اردو کے خلاف تعصب وعناد رکھتے تھے ان کی اکثریت رخت سفر باندھ چکی ہے اور ان کی نئی نسل خصوصاً تعلیم یافتہ لوگ ایسے تعصبات سے عمومی طور پر اس لیے ماورا ہیں کہ جس دنیا میں انھوں نے آنکھ کھولی اُس کی ساجیات، بشمول ہندستان کی عمرانیات سے مختلف تھی۔ اس مابعد جدید نسل کے زندگی اور سماج دونوں سے مطالبے مختلف ہیں، اس لیے اردو کے باب میں ان کے ذہنوں میں جو کھلاپن ہے اس نے اردو ادب کی مقبولیت ہی میں نہ صرف یہ کہ بے پناہ اضافہ کیا بلکہ اس کی تفہیم کے لیے جو نئے لوازمات وہ معاصر زندگی کے اس انقلاب سے ہم آہنگ تھے جنھیں گزشتہ ہزار برس میں بلاشبہ سب سے موثر مظہر قدرت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اس عظیم انقلاب کا نام انفارمیشن ٹیکنولوجی ہے جسے عرف عام میں انٹرنیٹ کہا جاتا ہے، جس کے جہات بے پناہ ہیں اور اب زندگی کے ہر شعبے میں اس کا نفوذ لازم ہے۔

اردو زبان و ادب کے تمام شعبوں کا بھی انفارمیشن ٹیکنولوجی سے متاثر ہونا لازمی تھا جس کے اثرات اردو معاشرے پر اب نمایاں ہونے لگے ہیں، جو نہایت ہی مبارک بات ہے۔ انفارمیشن ٹیکنولوجی نے زندگی کے متعدد شعبوں کو مذہبی قیود اور نتیجتاً تعصب سے ازبس دور کردیا ہے جو اردو کی ساجیات کے ذیل میں نہایت اہم ہے۔ سرکاری اداروں کی حد تک قومی اردو کونسل نے اردو کو انفارمیشن ٹیکنولوجی سے جوڑنے کی صحیح معنوں کوشش گزشتہ دو برسوں میں اس کے جواں سال ڈائرکٹر خواجہ اکرام الدین کی قیادت میں کی۔ اس سے پہلے قومی اردو کونسل کی اردو کو انفارمیشن ٹیکنولوجی سے جوڑنے کی اسکیم کے فوائد کا دائرہ بہت محدود تھا اور اس اسکیم کے ذریعے دی جو سہولتوں کا دائرہ بے پناہ تھا۔ قومی اردو کونسل نے اردو کو انفارمیشن ٹیکنولوجی سے جوڑنے کے بیے جو یوں کیے کہ انفارمیشن ٹیکنولوجی کو اردو سے جوڑنے کے لیے جو انقلابی اقدام کیے ان میں یونی کوڈ (Unicod) کے ذریعے ایسے تیرہ اردو فونٹ بنائے جو Windows اور Android دونوں سے پوری طرح Compitable ہیں۔ اسی طرح مائیکرو سوفٹ کے طرز پر Bharat Operating System & Solutions سے اردو کی سی ڈی نہ صرف تیار کرائی بلکہ کونسل کی وساطت سے وہ اردو والوں کے لیے مفت دستیاب بھی ہے۔ اس سی ڈی کی مدد سے کمپیوٹر کے تمام پروگراموں کو اردو رسم خط کے ذریعے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اس سے بھی زیادہ اہم Smart Phone کے لیے اردو Keyboard اور فونٹ کی تشکیل ہے، جس کی مدد سے Smart Phone پر اردو میں تمام کام مع پیغام رسانی کے کیے جاسکیں گے۔

جس طرح کثیر الجہاتی زندگی میں ہر زاویے کا روشن ہونا ضروری ہے اسی طرح اردو کے فروغ و ارتقا کے متعدد زاویے ہیں جس میں رفتار اور اداروں کی پیش رفت فیصلہ کن اہمیت کی حامل ہے۔ اردو کی تاریخ میں کسی ادارے کی اب تک کی سب سے اہم کاوش www.rekhta.org ہے جس نے گزشتہ ایک برس میں اردو زبان و ادب کے فروغ کے لیے ترسیل کی سطح پر جو کام کیے، وہ بلامبالغہ اردو کے تمام ادارے مل کر نہیں کرسکتے۔ www.rekhta.org ۱۱ر جنوری ۲۰۱۳ کو اپنی پہلی سال گرہ کا جشن منا رہا ہے۔ امید کہ آئندہ دو برسوں میں یہ شمول دیگر کاموں کے، ہندستان کی متعدد لائبریریوں کا Digitization پورا ہوجائے گا اور ان لائبریریوں کی کوئی بھی کتاب یا مخطوطہ ان اداروں کی ویب سائٹ یا پھر ریختہ ڈوٹ کوم کی ویب سائٹ سے بہ آسانی حاصل کیا جاسکے گا۔ دہلی میں انجمن ترقی اردو (ہند) کی لائبریری کے Digitization کا کام برق رفتاری سے ہورہا ہے۔

ریختہ جناب سنجیو صراف کے اردو شاعری کے دیوانگی کی حد تک پہنچے ہوئے شوق کا ثمرہ ہے جس کے بعض سوالات کو حل کرنے کی کوششوں نے اس ویب سائٹ کی شکل اختیار کرلی۔ جناب سنجیو صراف کا شمار نئی نسل کے تخلیقی فکر کے حامل ہندستانی صنعت کاروں میں کیا جاتا ہے جنھوں نے اپنی صنعتی مہم جوئی کے لیے نئے میدان تلاش کیے ہیں۔ طالب علمی کے زمانے میں ان کا اردو شاعری کا شوق جب آگے چل کر اردو رسم خط سیکھنے کے بعد پسندیدہ شاعروں کا کلام مستند اور مکمل متن کے ساتھ تلاش کرنے نکلا تو انھیں سخت مایوسی ہوئی کہ اردو شاعری کا بیش تر سرمایہ بکھرا ہوا اور روادوی کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔ اس تجربے نے انھیں ایک ایسی ویب سائٹ تشکیل دینے کی طرف راغب کیا جہاں اردو شاعری کا تمام تر سرمایہ مستند اور مکمل متن کے ساتھ اس طرح پیش کیا جائے کہ اس سے وہ غیر اردو داں حضرات بھی لطف اندوز ہوسکیں جو اردو شاعری کے دل دادہ ہیں۔

www.rekhta.org آج 154 ملکوں میں دیکھی جارہی ہے۔ ریختہ پر تقریباً 650 شاعروں کی 9000 غزلیں، نظمیں موجود ہیں۔ اس ضمن میں اب تک کے تقریباً تمام اہم شعرا کے کلام کا احاطہ کرلیا گیا ہے۔ ریختہ کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اسے قارئین کے لیے بے حد آسان اور دل چسپ بنانے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ ٹیکنولوجی کے بہترین استعمال کے ذریعے کسی بھی لفظ، شعر، شاعر، غزل، نظم وغیرہ کی تلاش کو آسان کرنے کے لیے ریختہ پر ایک طاقت ور سرچ انجن کی سہولت موجود ہے۔ ریختہ پر موجود تمام متن کے ہر لفظ کے معنی ایک ہی کلک کے ساتھ معلوم ہوسکتے ہیں۔

صحیح تلفظ سے واقفیت کے لیے غزلوں، نظموں کے آڈیو بھی پیش کیے گئے ہیں۔ غزلوں، نظموں کی وافر مقدار خود شاعروں کی آواز میں بھی موجود ہے۔ ریختہ نے نوآموزوں کے لیے آسان اور مقبول شاعری کا ایک گوشہ قائم کیا ہے تاکہ انھیں اردو شاعری سے لطف اندوز ہونے میں آسانی ہو۔ اس سلسلے میں آسان شاعری کے آڈیو اور ویڈیو بھی پیش کیے گئے ہیں۔

ریختہ نے ای کتاب کے گوشے کی صورت میں اردو ادب کی ڈیجیٹ کاری کے لیے ایک اہم قدم اٹھایا ہے جس کے تحت شعر و ادب کی اہم اور نادر کتابوں کو اسکین کرکے انھیں محفوظ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اس سلسلے میں ادیبوں کی ذاتی کتابوں کے ساتھ ساتھ اہم اردو اداروں، کتب خانوں اور ذاتی ذخیروں میں موجود کتابیں حاصل کی جارہی ہیں تاکہ بڑے ادبی ذخائر کو محفوظ کیا جاسکے۔ ریختہ میں نئی نسل کے شاعروں کو بھی اپنی تخلیقات پیش کرنے کا موقع فراہم کیا جارہا ہے۔ اس کے لیے نوجوان شاعروں کا کلام ریکارڈ کرکے ان کے ویڈیو کو ریختہ کے ساتھ ساتھ یوٹیوب پر بھی اپلوڈ کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ہندستان، پاکستان اور دیگر ملکوں کے اہم ادیبوں کو ریختہ آنے کی دعوت دی جاتی ہے اور ان کا کلام ریکارڈ کرکے پیش کیا جاتا ہے۔

ریختہ کے دائرے کو وسیع تر کرنے کے لیے ڈیسک اور لیپ ٹاپ کمپیوٹر، ٹیبلیٹ اور موبائل فون کے ذریعے اس سے فائدہ حاصل کرنے کی سہولت فراہم کی گئی تاکہ دور دراز کے قارئین بھی اس ویب سائٹ تک بہ آسانی رسائی حاصل کرسکیں۔

میرے خیال میں اردو تو کیا ہندستان کی کسی زبان میں کسی تنظیم یا ادارے سے اس قدر وقیع کام کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ ریختہ زندہ باد، اردو پائندہ باد!

*****

مدیر: اطہر فاروقی
شریک مدیر: محمد عارف خاں
پرنٹر پبلشر: شاہد خاں مطبوعہ: شمر آفسٹ پرنٹنگ پریس، دہلی
مالک: انجمن ترقی اردو (ہند)، اردو گھر، ۲۱۲، راؤز ایونیو، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲
قیمت (فی شمارہ) دو روپے، سالانہ ۸۵ روپے (بیرونی ممالک۔ آٹھ امریکن ڈالر)
Phones: 23237212, 23237214
E-mail: hamarizaban@atuh.org
http://www.atuh.org